محمد حنیف ندوی

تاثرات

جماعت اسلامی کے موجودہ انتشار پر ایک نظر

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا استعفا اخباروں میں چھپ چکا ہے، انہوں نے علیحدگی کے جو اسباب بیان کئے ہیں، ان کی فہرست زیادہ طویل نہیں۔ سب سے اہم شکائتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ مودودی صاحب جماعت کو آمریت کی راہ پر ڈال رہے ہیں، اور ایسے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں جن سے تمام طاقت انہی کی ذات میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے اور شوریٰ کا کام جس کو ایک آزاد ادارہ ہونا چاہئے اور اپنی صوابدید سے عمل کا پورا نقشہ ترتیب دینا چاہئے، صرف اتنا ہی رہ گیا ہے کہ وہ ان کے فیصلوں کی چاروناچار تائید کرے اور ہر ہر قدم پر ان کو حق بجانب ٹھہرائے۔ ورنہ مستعفی ہو جانے کے لئے تیار رہے —— دوسرے یہ کہ مودودی صاحب جماعت کی طے شدہ پالیسی سے انحراف اختیار کر رہے ہیں۔ اور اس جماعت کو سیاسیات کے خارزار میں دھکیل رہے ہیں پہلے روز سے جس کی تشکیل اصلاح معاشرہ کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ جو اپنے مزاج اور طریقِ کار کے اعتبار سے خالص دینی جماعت تھی اور دینی اساس پر انقلاب برپا کرنے کی مدعی تھی۔ جس سے کچھ اس نوع کی توقعات وابستہ کی گئی تھیں کہ یہ ہنگامی تحریکوں میں اُلجھے بغیر اور سیاسی شعبدہ طرازیوں سے تعاون کئے بِنا معاشرے میں صحت مند ماحول پیدا کرنے میں مدد دیگی۔ نیز یہ کام کے عناصر کو چھانٹے گی ان کے تزکیہ و تربیت کا اہتمام کرے گی۔ اور ان تمام تر قوتوں کی کامیابی سے تنظیم کریگی، کہ جس سے مبنی بر اسلام معاشرہ آپ سے آپ معرضِ ظہور میں آجائے گا۔

شکائتوں کی اس نوعیت پر کچھ کہنے کی اگر اجازت دی جائے تو ہم اصلاحی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس میں قصور کس کا ہے؟ کیا یہ جو کچھ ہوا ہے آپ کے ان تصورات کا منطقی نتیجہ نہیں جو آپ نے تنظیم جماعت کے سلسلہ میں اپنا رکھے تھے؟ آپ ہی بتائیے اگر کسی جماعت کو جمہوری اور نیابتی اصولوں پر نہیں چلایا جائے گا، شوریٰ یا پارلیمنٹ کو آزاد اور خود مختار ادارہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر سربراہ کے اختیارات پر کوئی آئینی پابندی نہیں عائد کی جائیگی اور قوتوں کے توازن کو قائم نہیں رکھا جائے گا تو کیا کوئی صورت ایسی ہے کہ جس سے صدر یا امیر کو ہر طرح کی قانونی خلاف ورزیوں سے روکا جا سکے، اور اس کی مساعی کو بہرحال آئین کی حدود کے اندر محصور رکھا جا سکے۔ مودودی صاحب نہ تو چند دنوں میں ڈکٹیٹر یا آمر بن گئے ہیں اور نہ کسی سازش اور جوڑ توڑ

کی وجہ سے، آمریت کی راہ پر جماعت کو بچانا چاہتے ہیں۔ اصل خلل یا بگاڑ آپ کے تنظیمی تصوّر میں ہے جب آپ کسی شخص کو امارت کے عہدہ پر فائز کرینگے، لیکن اس عہدہ کے دائرہ کار کو متعین نہیں کرینگے، اور عملاً ایسی صورت حال پیدا نہیں کرینگے۔ کہ قوت و اقتدار کا ہر ہر موڑ پر محاسبہ کیا جا سکے۔ تو اس کا اکثر و بیشتر یہی انجام ہوگا جس سے آپ اور آپ کی جماعت اس وقت دوچار ہے۔

سوال یہ ہے کہ اٹھارہ برس کے اس طویل عرصہ میں آپ نے امیر جماعت کو کیوں نہیں بدلا، اور انتخاب کا نمائشی ڈھونگ رچانے کے باوجود ہر بار انہیں کو کیوں منتخب کیا۔ بالخصوص جبکہ آپ میں ہر ہر شخص مودودی صاحب کے ترفع پسند مزاج کو جانتا تھا اور محسوس کرتا تھا کہ اس سے ان کے احساسِ برتری کو اور مدد ملے گی۔ دوسرے لفظوں میں آپ لوگوں نے کیوں مودودی صاحب کو مجبور نہیں کیا کہ وہ مجلس عاملہ یا شوریٰ کے ایک عام رکن کی حیثیت سے بھی کام کریں۔ اور ہمیشہ اپنے اقتدار کو مشروط اور محدود سمجھیں۔ آپ لوگوں کے تنظیمی تصوّر کی اصولی غلطی یہی ہے کہ ان مسائل پر بھی کہ جو خالص تجربے کے ہیں اور جن کا دین سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں آپ نے ہمیشہ اس طرح غور کیا ہے کہ گویا یہ بھی میٹافزکس کی بحثیں ہیں، جس کو نصوص کی روشنی میں حل ہونا چاہیئے یا کم از کم ایسی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے کہ جن سے یہ دوسری تنظیموں سے ممیز ہو سکیں اور ان پر خواہ مخواہ اسلامیت کی چھاپ لگائی جا سکے۔ حالانکہ جہاں تک تنظیمی مسائل یا قواعد و ضوابط کا تعلق ہے یہ کبھی بھی مسلم یا غیر مسلم نہیں ہوتے بلکہ ان کا مقصد تو بلا لحاظ مذہب کسی جماعت یا ادارہ کی خدمت کرنا ہے ــــ اور ان کے کاموں میں خاص طرح کی ترتیب اور سہولت پیدا کرنا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ غرض یہ ہے کہ مودودی صاحب کا موجودہ آمرانہ رجحان جماعت اسلامی کے تنظیمی تصوّر کی خرابی کا لازمی نتیجہ ہے، اگر اس کو کسی طرح بدلا جا سکتا ہے، اور موجودہ دَور کے خالص جمہوری سانچوں میں ڈھالنا ممکن ہے، تب تو اس شکایت کا سدّباب ہو سکتا ہے ورنہ نہیں!

ایک آخری بات اس شکایت کے سلسلہ میں امین احسن صاحب سے پوچھنے کی یہ ہے کہ کیا آپ کے استعفاء سے آپ کا مقصد حاصل ہو گیا ہے، اور مودودی صاحب کی آمریت پر واقعی کوئی ضرب لگی ہے یا آپ نے ان کی آمریت کی تائید کی اور ان کو اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے آپ کو مسئلہ کے اس پہلو پر غور کرنا چاہیئے تھا کہ جب آپ ایسے حضرات جماعت کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے، تو ان کو روکنے والا اور اختیارات کے غلط استعمال سے منع کرنے والا اور کون ہے؟

رہی دوسری شکایت، تو اس کے متعلق ہماری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ حق مودودی صاحب کے ساتھ ہے، اور مولانا امین احسن کی رائے کو کسی طرح سے بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جو شخص بھی مملکت کے موجودہ تصوّر کی ہمہ گیریوں سے واقف ہے، اور جو شخص بھی یہ جانتا ہے کہ ریاست نے اختیار کے کن کن گوشوں پر قبضہ جما رکھا ہے، اس کے لئے ناممکن ہے کہ سیاسیات سے قطع نظر کر سکے۔ اور یہ گمان کر سکے کہ بغیر اقتدار کو حاصل کئے لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے یا ان کے فکر و

ذہن کے انداز کو بدلا جا سکتا ہے۔ آج کون نہیں جانتا کہ تعلیم کا پورا ڈھانچہ حکومت کی نگرانی میں قائم ہے۔ وہی اس کا نصاب تجویز کرتی ہے، وہی پالیسی طے کرتی ہے اور وہی افکار و تصورات کا مزاج تیار کرتی ہے، وہی تربیت کے دوسرے اداروں کا نظم و نسق چلاتی ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو ان حالات میں کیونکر ممکن ہے کہ کوئی دینی جماعت الگ تھلگ رہ کر سیرت سازی کی عمومی مہم میں کامیاب ہو سکے، یا حکومت کی امانت اور وسائل سے تعرض کئے بنا صحت مند معاشرہ کی طرح ڈال سکے۔ اگر یہ معاشرہ جس کی اصلاح کا بیڑا مولانا امین احسن صاحب نے اٹھا رکھا ہے ہوا میں معلق نہیں ہے، اور تعلیم و تربیت کے اس ماحول سے متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جو اس زمین سے متعلق ہے تو لامحالہ اس زمین کی رعائتیں ملحوظ رکھی جائیں گی۔ اور حصول اقتدار کی سیاسی جدوجہد کی اہمیتوں کو تسلیم کرنا پڑیگا۔

ہاں یہ البتہ صحیح ہے کہ مودودی صاحب اس سیاسی مہم میں کامیاب ہونے والے نہیں۔ کیونکہ ابتدا ہی سے اُنہوں نے جس طرح جماعت اسلامی کی تربیت کی ہے، دعوت میں جن افکار پر خصوصیت سے زور دیا ہے اس سے ایک خاص دینی مزاج پیدا ہوا ہے، اور خاص طرح کے مرنجاں مرنج قسم کے لوگ ان کے گرد و پیش جمع ہوئے ہیں، ہماری لائے میں یہ سب عوامل ایسے ہیں جن سے سیاسیات کی معرکہ آرائیوں میں بالکل مدد نہیں ملتی۔ یہاں دعوت کا انداز دوسرا ہے، تربیت کا انداز جُدا ہے اور وہ افکار و تصورات مختلف ڈھنگ کے ہیں جو انقلاب پیدا کر دے سکتے ہیں۔ شروع ہی سے اگر مودودی صاحب کا ذہن اس معاملہ میں صاف ہوتا اور وہ سیاسیات کی ٹھیک ٹھیک اہمیت کا اندازہ کر لیتے، تو نہ تو دعوت میں یہ غیر ضروری پھیلاؤ اختیار کرتے کہ ہر مسئلہ پر ایک کتاب موجود ہے اور ہر ہر کھٹک پر ایک مقالہ تیار رہے۔ نہ ایسے لوگوں کو ساتھ لیتے جو محض لٹریری ذوق کی بدولت ان کی جماعت میں شریک ہوئے ہیں، اور قطعاً کسی آزمائش و ابتلا میں پڑنے کے لئے تیار نہیں، اور نہ اپنی جماعت میں الگ تھلگ رہنے کی یہ ذہنیت پیدا کرتے، اور نہ جاگیرداری ایسے مسائل میں رجعت پسندانہ خیالات کا اظہار ہی کرتے۔ اس کے برعکس اس وقت ان کا طرز عمل کچھ ایسا ہوتا کہ یہ اپنی توجہات اور تگ و دو کے دائرے کو نہایت ہی ضروری نکات تک محدود رکھتے۔ جماعت کو بلڈنگ ادارہ نہ بناتے، بلکہ اس میں انقلابی روح پھونکتے اور ایسے لوگوں کو ساتھ لیتے جنہوں نے انقلابی مزاج اور انقلابی طبیعت پائی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جماعت کو دوسری سیاسی جماعتوں سے تعاون کرنے پر مجبور کرتے اور جماعت کو عامۃ الناس کے ساتھ راہ و رسم قائم رکھنے میں کوئی شرعی باک محسوس نہ کرتے۔ جب یہ سب کچھ کر لیتے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے سوچنے کا انداز یکسر بدل جاتا۔ پھر جو قدم بھی اٹھاتے ان کے ساتھیوں کی طرف سے اس کی پوری پوری تائید کی جاتی۔ مگر اب جبکہ اٹھارہ برس تک وہ نضولیات میں اُلجھے رہے اور رسائل و مسائل کی موشگافیوں میں اپنی ہر طرح کی ذہنی صلاحتیں کھپاتے رہے، ناممکن ہے کہ جماعت کے افکار و خیالات کے دھارے کو ایک دم بدل دیں، اور مسائل و جدل کی تنگنائے سے نکال کر معجزانہ

طور پر اس کو سیاسیات کے وسیع و عریض خار زار میں ڈھکیل دینے میں کامیاب ہو جائیں۔

تعجب ہے جماعت اسلامی کے ارباب فکر و فہم نے مسئلہ کے اس پہلو پر قطعاً غور نہیں کیا کہ اس خلیج کو کسی مصالحتی تجویز سے پاٹا بھی جا سکتا ہے۔ مثلاً کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جماعت تقسیم کار کے اصول پر دو گروہوں میں اس طرح بٹ جاتی کہ ایک گروہ تو اپنی تمام تر توجہات کو حسب سابق تعمیری و اصلاحی کاموں کے لئے وقف کئے رکھتا اور دوسرے گروہ کو اجازت ہوتی کہ وہ سیاسی میدان میں اپنے جوہر دکھائے۔ آخر اس میں کیا منطقی لزوم ہے کہ پوری جماعت یا تو اپنی مساعی کو ایک ہی خانہ تک محدود رکھے، اور یا پھر انتشار اور گروہ بندی کا شکار ہو جائے۔ جب ذہن ایک ہے، مقاصد میں یکسانی ہے اور سیاسیات میں بھی کوئی اصولی اور بنیادی اختلاف رونما نہیں ہے تو ہم نہیں سمجھ سکے کہ اس تجویز پر کیوں عمل نہ کیا گیا۔ لطف یہ ہے کہ عملاً یہی ہونے والا ہے کہ مودودی صاحب کا گروپ تو زیادہ تر سیاسی قوت بننے کی کوشش کرے گا۔ اور اصلاحی صاحب اور ان کے ہم خیال اپنی کوششوں کے دائرہ کو اصلاحِ معاشرہ کی حد تک محدود رکھیں گے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ مصالحت کی شکل میں ان دونوں گروہوں میں باہمی اتحاد و ربط رہتا اور دونوں کو ایک دوسرے کی کوششوں سے تقویت پہنچتی، اور اب جب دونوں نے اپنے لئے الگ الگ راہِ عمل تجویز کر لی ہے خدشہ ہے اور بجا خدشہ ہے کہ کہیں دونوں ہی ناکام نہ رہیں۔

آخر میں ہمیں مودودی صاحب اور اصلاحی صاحب کی اس اخلاقی بلندی پر ہدیہ مبارکباد دینا ہے کہ انتہائی اور تلخ اختلافات کے باوجود ان حضرات نے تقاضائے اخلاق و مروت کو بہر حال ملحوظ رکھا ہے اور ایک دوسرے کو غیر ذمہ دارانہ طریق سے بدنام کرنے کا گھٹیا پن اختیار نہیں کیا۔